

طلاق کے احکام

ایک مطالعہ

عمر احمد عثمانی

عربی زبان میں "طلاق" کے معنی بندہن کو کھوں دینے کے ہوتے ہیں۔
 یہ لفظ "اطلاق" سے نکلا ہے، جس کے معنی چھوڑ دینے اور کھوں دینے کے
 ہیں۔ اصطلاح شریعت میں "طلاق" کے معنی لکھ کے بندہن کے کھوں دینے
 کے ہوتے ہیں۔ امام الحرمین کا ارشاد ہے کہ "یہ لفظ جاہلی ہے اور شریعت اسلامی نے
 بھی اس لفظ کو اپنے اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے جس میں وہ زمانہ" جاہلیت
 میں استعمال ہوا کرتا تھا۔ *

عربوں میں زمانہ" جاہلیت ہی سے طلاق کا دستور چلا آتا تھا۔ اسلام
 نے بھی اس کو بعض ضروری اصلاحات کے ساتھ باقی رکھا ہے۔ آج کے دور میں
 اس امر کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ طلاق کے جواز پر عقلی دلائل سے بحث
 کر کے اس کی معقولیت کو ثابت کیا جائے کیونکہ وہ بہت سی قومیں بھی جو
 آج سے پہلے طلاق کے مسائل پر ناک بھوں چڑھایا کرتی اور زبان طعن دراز
 کیا کرتی تھیں، زمانے کے تھیڑوں سے مجبور ہو کر طلاق کے اسلامی مسائل
 کو آپ سے آپ اپناتی چلی جا رہی ہیں اور اپنے عمل سے خود ہی اس کا
 ثبوت فراہم کرتی چلی جا رہی ہیں کہ قرآن کریم کا یہ بیان کس طرح حرف
 بحروف صحیح ثابت ہوتا چلا جا رہا ہے کہ :

* شیخ الاسلام محمد ابن علی شوکانی رحمہ 'نیل الاولطار'، ج ۲، ص ۲۳۶ - مطبوعہ
 مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر، سنه ۱۹۵۲ء

سُرِّهِمْ هَا يَنْتَأْ فِي الْأَقَافِ وَفِي النُّفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

هم آنہیں اپنی نشانیاں کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھاتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ یہ بات اچھی طرح ان پر واضح ہو جائیگی کہ اسلام ہی حق ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ بر ائل ہے کہ اسلام لے طلاق کی اجازت شدید ضرورت میں دی ہے جبکہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی باقی نہ رہا ہے۔ اسلام نے کسی درجہ میں بھی طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ چنانچہ جحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات موجود ہیں کہ :

حضرت ثوبان رضہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بغیر کسی شدید مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبه کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (۱) †

(بخاری - مسلم - ابو داؤد - ترمذی - ابن ماجہ)

اور اس کے ساتھ ہی یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ :

حضرت ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ (۲) (ابو داؤد - ابن ماجہ)

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ بھی طلاق کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ حتیٰ الامکان اس کو ڈالنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ اگر میاں یہوی میں مناقشہ اور اختلاف کا اندیشه ہو تو وہ اسلامی معاشرہ (حکومت و ت) کو اس کا پابند کرتا ہے کہ وہ ان اختلافات کو سلچھانے کی ہر ممکن سی کرے۔ اسے اس مقصد کے لئے ایک نالشی کونسل کی تشکیل کرنی چاہئے تاکہ وہ میاں یہوی کے جھگٹے کو سلچھا کر اختلافات کو دور کرے اور ان دلوں کے دو میاں مصالحت کروادے چنانچہ سورہ "نساء" میں ہے :

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَنِيهِمَا فَابْعُثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ، وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا

† تمام حوالوں کے اصل عربی متن مقالے کے آخر میں درج ہیں

إِنْ بُرِيدَأَ إِصْلَحًا يُوْفَقِ اللَّهُ بِدِينِهِمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِ خَبِيرًا (٢٥)

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ میاں بیوی میں تفرقہ پڑ جائیگا تو چاہئے کہ ایک پنج شوہر کے کتبہ میں سے مقرر کرو اور ایک بیوی کے کتبہ میں سے (اور دونوں اصلاح حال کی کوشش کریں) اگر دونوں پنج (دل سے) چاہینگر کے صلح صفائی کرادیں، تو اللہ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دیں گا (اور ان کی کوشش رائگان نہ جائیگی) بلاشبہ اللہ سب کچھ جانتے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے - *

اس آیت پر مولانا آزاد اپنے تفسیری نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر عورت شوہر کے حقوق کی رعایت نہ کرے اور اطاعت شواری کے دائرہ سے باہر ہو جائے تو شوہر کو چاہئے کہ اسے سمجھائی اور نرمی و سختی سے راه راست پر لانے کی کوشش کرے۔ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اندیشہ ہو کہ شوہر اور بیوی میں تفرقہ پڑ جائیگا تو پھر چاہئے کہ خاندان کی پنچایت بٹھائی جائے۔ پنچایت کی صورت یہ ہو کہ ایک آدمی مرد کے گھر ان سے لیا جائی، ایک عورت کے دونوں ملکر اصلاح حال کی کوشش کریں۔ اگر سرکشی عورت کی جانب سے ہو تو مرد کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نرمی و سختی کر کے سمجھائی بجھائی۔ لیکن قصور مرد کا ہو اور خواہ مخواہ الزام عورت کے سر ڈال رہا ہو تو اس کا کیا علاج؟ اس کا علاج پنچایت کا حکم دیکر کیا گیا۔ اگر قصور مرد کا ہو گا تو عورت کو پورا موقعہ مل جائیگا کہ اپنے گھرانے کے آدمی کے ذریعہ حقیقت حال ظاہر کر دے۔ اس حکم میں معاشرت کے اکثر احکام کی طرح خطاب مسلمانوں سے ہے۔ یعنی جماعت سے ہے۔ یہ جماعت کا فرض ہے کہ باہمی نااتفاقی کی صورت میں اصلاح کی کوشش کرے۔ *

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کی جماعت کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب اپنی تفسیر "ترجمان القرآن" لکھی تھی تو متعدد ہندوستان میں کوئی اسلامی حکومت موجود نہیں تھی۔ اگر کہیں مسلم حکومت موجود ہو تو در اصل اس آیت کی مخاطب حکومت ہوتی ہے۔ چنانچہ فقه حنفی کے مشہور امام ابو بکر جاصص رازی رہ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ چنانچہ سعید ابن جبیر اور ضحاک یہ فتنل کیا گما ہے کہ اس آیت کا مخاطب سلطان ہے، جس کی طرف میاں بیوی مرافعہ کریں گے۔ لیکن سدی نے کہا ہے کہ اس آیت کے مخاطب بھی مرد اور عورت (میاں بیوی ہیں)۔ ابو بکر (یعنی خود امام رازی) کہتا ہے کہ الشلاتی تخلفون نشوزهن کا خطاب شوہروں کو ہے کیونکہ آیت کی ترتیب اسی پر

* ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، ج ۱، ص ۳۴۰

† اپسماً ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۲۶۹

دلالت کرتی ہے چنانچہ آگئے حکم ہے واهجر واهن فی المضاجع (انہیں ان کی خواب گاہوں میں اکیلا چھوڑ دوا) لیکن یہ خطاب و ان ختم شقائق بینہما (اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان تفرقہ کا اندیشہ ہو) حاکم ہی کو ہونا چاہئے جو دونوں فریقوں کے درمیان غور و فکر کر کے زیادتی اور ظالم سے ان کو باز رکھ سکے کیونکہ شوہر کا معاملہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے اور اسے حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائیں بجهائے اسے خدا کا خوف دلانے پر بھی باز نہ آئے تو اسے خواب گاہ میں تنہا چھوڑ دے۔ اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو معمولی طور پر اسے جسمانی سزا دے اگر وہ پھر بھی نافرمانی پر قائم رہ تو جسمانی سزا دے لیں گے بعد شوہر کو کچھ اور کرنے کا تو اختیار رہا نہیں اب بجز اس کے وہ ایک ایسے حاکم کے پاس واقعہ پہنچائیں جو ظالم سے مظلوم کا انصاف دلوں سکے اور ان پر اس کا فیصلہ نافذبھی ہو سکے وہ اور کیا کر سکتا ہے۔ (۲)

اس کے بعد امام رازی نے تفصیل کے ساتھ علماءؒ کے مختلف اقوال لقل کئے ہیں کہ ان ثالثوں کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا یا نہیں۔ حنفیہ کا مسئلہ انہوں نے یہ ذکل کیا ہے کہ اگر طرفین کی طرف سے ثالثوں کو اس کا اختیار دیا گیا ہو تو وہ نکاح کو فسخ بھی کر سکتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ لیکن دیگر ائمہ اسی طرف گئے ہیں کہ ان ثالثوں کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

خواہ طرفین نے صراحةً اس کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو *

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے یہی حتی الامکان طلاق کی صورت پیدا نہ ہونے دینے کے لئے صلح و صفائی کی پوری کوشش کر لینے کی تاکید فرمائی ہے اور یہ کوشش بہر حال طلاق اور تفرقہ کا امکان پیدا ہونے سے پہلے ہے ہی ہوتی چاہئے۔ علاوه ازین ان تصریحات سے اس فریب کا پردہ بھی چاک ہو جاتا ہے جو بعض حلقوں کی طرف سے بڑے شدید اصرار کے ساتھ کھابراتا رہا ہے کہ مصالحت کا، طلاق کی آیات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ دونوں باتیں بالکل الگ الگ ہیں۔ اور یہ کہ حکومت کو اس سلسلہ میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ان تصریحات سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کا منشا مصالحت کی ان کوششوں سے ہی ہے کہ طلاق اور تفرقہ کے امکان کو جہانتک ممکن ہو سکے ٹالا جائے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کیجائی۔ اور اگر طلاق دینی ہی پڑے تو مصالحت کی ان کوششوں میں ناکام

ہو جائے کے بعد ہی دی جائے۔ اور مصالحت کی یہ کوششیں حکومت کی طرف سے ہونی چاہئیں۔ اور جب مصالحت کی ان کوششوں کے باوجود بھی لباہ کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو پھر بدرجہ "مجبوری طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔

طلاق کی یہ اجازت اور اس کا طریقہ "کار سورہ" بقرہ کی آیات (۲۲۹ - ۲۳۰) میں اور سورہ "طلاق" کی ابتدائی آیات میں بتایا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیات یہ ہیں:-

الظَّلْمُ مِنْ تَأْنِ فَإِمْسَاكٌ مَعْرُوفٌ أَوْ تَمْرِيجٌ بِالْحَسَنِ وَلَا يَحْلِلُ لَكُمْ
أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا تَمْسِحُونَ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ
فَإِنْ خِفْتُمُ الْأَيْقِيمَةَ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا أَفْتَدَتْ يَهُءِ
تِلْكَ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ
الظَّالِمُونَ ﴿٢٣٠﴾ فَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا تَحْلِلُ لَهُ وَمِنْ بَعْدِ حَنْنَ شَكِيعَ زَوْجًا
غَيْرِهِ فَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَرْجِعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا
حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودَ اللَّهِ يَبْيَنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣١﴾

طلاق دو مرتبہ ہو سکتی ہے۔ پھر اس کے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہ جائیے ہیں۔ یا تو اچھے طریقہ پر روک لینا (یعنی رجوع کر لینا) یا پھر حسن سا لوک کے ساتھ الگ کر دینا۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ تم اپنی بیویوں کو دے چکی ہو (طلاق دیتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو۔

ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھہرائی ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے (تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے) تو اگر تم دیکھو، ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ (واقعی) اندیشہ ہے کہ یخدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق و واجبات ادا نہ ہو سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بیوی (اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے) بطور معاوضہ کے (ایسے حق میں سے) کچھ دیتا اور شوہر اسے لیکر علیحدگی پر راضی ہو جائے) یاد رکھو، یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوتی حد بندیاں ہیں۔ پس ان سے باہر قدم نہ نکالو - اور اپنی اپنی حدود کے اندر رہو) جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظالم کرنے والے ہیں۔

اگر ایسا ہوا کہ شوہر نے دو مرتبہ کے بعد پھر (تیسرا مرتبہ بھی) طلاق دیتا تو اب دونوں میں قطعی جداگانی ہو گئی - اور اب شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہیں ہو گی جب تک وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آجائے۔

پھر اگر ایسا ہو کہ دوسرا مرد نکاح کرنے کے بعد خود بخود طلاق دیتا اور (مرد و عورت از سرنو مانا چاہیں) تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اس میں ان کے لئے کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو کہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں پر قائم رہ سکیں گے۔ اور دیکھو یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کے لئے جنہیں (مصالحہ میشیت کا) علم ہے واضح کر دیتا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ ہر طرح کی مصالحتی کوشش بروئے کار لے آئے کے بعد جب یہ ثابت ہو جائے کہ میاں بیوی میں نباه کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی تو شوہر طلاق دیکھ رعاهدہ نکاح کو فسخ کرنے کا اعلان کر سکتا ہے۔ یہی مرتبہ اس اعلان کے بعد شوہر کو ہمارے یہ اختیار باقی رہتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو عدت کے دوران طلاق سے رجوع کر لے۔ قریب تین ماہ کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ شوہر اس عرصہ میں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔ بیوی بھی شوہر کو منانے اور راضی کر لینے کی کوشش کر سکتی ہے۔ اگر اس عرصہ (عدت) میں شوہر نے طلاق سے رجوع کر لیا، فبہا۔ ورانہ عدت گزر جائے کے بعد وštہ نکاح بالکلیہ منقطع ہو گیا۔ تاہم اب بھی میاں بیوی کو اس کی اجازت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو تجدید معاہدہ کے ساتھ از سرنو دوبارہ نکاح کو سکتے ہیں۔ اگر شوہر نے عدت کے دوران رجوع کر لیا تھا۔ یا عدت گزر جائے کے بعد تجدید نکاح کر لی تھی، لیکن مزید تجربہ کے بعد وہ پھر اس نتیجہ پر ہمچلتے ہیں کہ

دونوں کا نباه ممکن نہیں اور وہ ایک دوسرے کے حقوق و واجبات کما حصہ ادا نہیں کر سکتے اور شوہر دوسری مرتبہ پھر طلاق دے دیتا ہے تو اس دوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد بھی اس کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ دونوں اب بھی اپنی اصلاح کر لیں ۔ اور جو باتیں ایک دوسرے کے لئے وجہ شکایت ہوں ان کا ازالہ کر لیں ۔ لہذا اگر صورت حال سدھر جانے کی توقع ہو تو شوہر کو اس مرتبہ بھی یہ حق باقی رہتا ہے کہ وہ عدت کے زمانہ میں طلاق سے وجوع کر لے ۔ اگر عدت گزر چکی ہے تو میاں یہوی پھر باہمی رضامندی سے تجدیدی معاہدہ کے ذریعہ از سفرو نکاح کر سکتے ہیں ۔ اگر اس مرتبہ بھی تجربہ سے یہی ثابت ہوا کہ وہ دونوں واقعی نباه نہیں کر سکتے اور شوہر تیسرا مرتبہ پھر طلاق دیدیتا ہے تو اب یہ عورت اس کے لئے قطعاً حرام ہو گئی ۔ اب وہ نہ عدت کے دوران اس سے رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے ۔ اب یہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر سکے ۔ لیکن اگر اس کا گزارہ وہاں بھی نہ ہو سکے اور دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دیدے یا وفات پا جائے تو اب یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے ۔ کیونکہ اس قدر دھکے کھالنے کے بعد اب یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ شاید اسے عقل آگئی ہو اور اب وہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ واقعی نباه کر سکتی ہے اس کے ساتھ ہی یقین ہے کہ شوہر کو بھی اپنی حماقتوں کا احساس ہو گیا ہوگا اور وہ بھی واقعہ "اس کے ساتھ نباه کر لینے کے لئے تیار ہو گیا ہوگا ۔

آیت مذکورہ بالا میں "مرتان" کا لفظ خاص طور پر قابل توجہ ہے اگر اس لفظ کے تضمینات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو قرآنی منشاً کو سمجھنے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہو سکتی ۔ اس موضوع پر امام ابو بکر جصاص رازی نے بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے ہم یہاں اسے نقل کر دیتے ہیں ۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ :

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (طلاق دو مرتبہ ہو سکتی ہے ۔ پھر یا تو اچھے طریقہ پر روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا ہے) ابوبکر (رازی رحم) کہتا ہے کہ مختلف طریقوں سے اس آیت کا مطلب بیان کیا گیا ہے ۔ ایک قول

تو یہ ہے کہ یہ اس طلاق کا بیان ہے جس کے ساتھ رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے۔ یہ قول عروہ ابن زبیر اور قادہ سے نقل کیا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں طلاق سنت اور مستحب کو بتایا گیا ہے۔ یہ قول ابن عباس وضہ اور مجاهد سے نقل کیا جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات کا حکم بتایا گیا ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو تین طلاقین دینا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ دو طلاقین وقفون کے ساتھ دے۔ چنانچہ یہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے کہ طلاقین دو مرتبہ کر کے دی جائیں اور ان دونوں کے بعد پھر تیسرا طلاق کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابو بکر (رازی رح) کہتا ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت میں ان طلاقوں کا بیان ہے جن کے بعد رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ان طلاقوں کے بعد فوراً رجوع کا ذکر ضرور آیا ہے۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ قرآن کا مقصود اس آیت میں مباح طلاق کو بیان کرنا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس کے علاوہ جو طلاق دی جائے وہ منوع ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتانا ہے کہ طلاق کا حکم اس صورت میں کیا ہو گا، جبکہ هدایت کردہ طریقہ کے مطابق طلاق دی جائے۔ چنانچہ یہ حکم اس کے فوراً بعد رجوع کا تذکرہ کر کے بتایا گیا ہے۔ اس بات کی دلیل کہ آیت منکورہ کا مقصد یہ حکم دینا ہے کہ طلاق وقفون کے ساتھ دی جائے اور اس حکم کو بیان کرنا ہے کہ جو تین طلاقوں سے کم واقع کرنے کی صورت میں رجوع سے تعلق رکھتا ہے یہ ہے کہ قرآن کریم نے "الطلاق مرتان" فرمایا ہے۔ ان الفاظ کا تقاضا لا محالہ وقفون کے ساتھ طلاق دینے کا ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص نے ایک ہی مرتبہ دو طلاقین دیدی ہوں تو اس کے متعلق یہ کہتا جائز نہیں ہے کہ اس نے بیوی کو دو مرتبہ طلاقیں دی ہیں۔ اسی طرح چیزیں اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کو بیک وقت دو درهم دیدئے ہوں تو یہ کہتا جائز نہیں ہوتا کہ اس نے اس کو دو مرتبہ درهم دئے ہیں تا انکے درہم دینا وقفون کے ساتھ نہ ہو۔ اگر وقفون کے ساتھ ہو تو تب یہ یہ کہتا جاسکتا ہے کہ اس نے دو مرتبہ درہم دئے ہیں۔ جب یہ بات یوں ہے تو اگر قرآن کے الفاظ کا مقصد صرف وہ بات ہی بتانی ہوتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ صورت میں رجوع کے حق سے تعلق رکھتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ مرتان کی ذکر کا کوئی فائدہ ہی باقی نہ رہے۔ کیونکہ رجوع کرنے کا یہ حق تو اس وقت بھی ثابت ہے جب آدمی ایک مرتبہ ہی دونوں طلاقین دیدے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مرتان کے ذکر کا مقصد ہی یہ ہے کہ قرآن کریم یہ حکم دیتا ہے کہ دو طلاقین بھی وقفہ کے ساتھ دو مرتبہ کر کے دی جانی چاہئیں اور قرآن اس کی ممانعت کرنا چاہتا ہے کہ دو طلاقین ایک ہی مرتبہ ایک ساتھ نہ دیدی جائیں۔ ایک دوسرے نقطہ نظر سے بھی آپ غور کریں تو اگر قرآن کریم کے الفاظ دونوں بائنوں کا احتمال رکھتے ہیں تو یہ ضروری ہونا چاہئے کہ آیت کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو ان دونوں فائدوں پر مشتمل ہو۔ ان میں سے ایک فائدہ تو یہ حکم دینا ہے کہ اگر آدمی دو طلاقین دینا چاہتا ہے تو وہ ان دونوں طلاقوں کو وقفون کے ساتھ دے اور دوسرا فائدہ یہ حکم دینا ہے کہ جب آدمی اس طرح طلاق دیدے تو ایسے رجوع کرنے کا حق ہو گا۔ اس طرح الفاظ دونوں فائدوں اور دونوں معنوں کو جامع ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد

(الطلاق مرتان) اگرچہ بظاہر خیر ہے لیکن اس کے معنے امر کے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ (طلاق دی ہوئی مورتیں اپنے نفسوں کے ساتھ تین حیض تک انتظار کریں) اور (مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں) اور اس قسم کی دوسری آیات جن کا صیغہ توخبر کا ہے، لیکن معنے امر کے ہیں۔ اس بات کی دلیل کہ یہ امر ہے، خیر نہیں ہے یہ ہے کہ اگر یہ خبر ہوتی تو خبر دی ہوئی بات کا اسی انداز پر پایا جانا ضروری تھا جس انداز پر خبر دی گئی تھی۔ کیونکہ مخدا کی دی ہوئی خبریں ہوں تو وہ اپنے خبرات کے وجود سے لا محالہ الگ نہیں ہوسکتیں۔ لیکن ہمیں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو ایک طلاق اور تین طلاقیں ایک ساتھ ہی دیتے ہیں (تو کیا اس کی بناء پر خدا کی دی ہوئی خبر کو غلط کما جائے گا؟) اور اگر حق تعالیٰ کے ارشاد الطلاق مرتان کو اسم خبر کہا جائے تو بھی اسے اپنے تمام مدلولات کا جامع ہونا چاہئے جو اس کے مانحت آئے ہوں۔ مگر ہم کو ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو اس طریقہ پر طلاق نہیں دیتے جس کا آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ قرآن کا مقصد خبر دینا نہیں ہے بلکہ یہ آیت دو معنوں میں سے کسی ایک معنی کو متنضم ہے۔ یا تو اس حکم کو متنضم ہے۔ کہ جب ہم طلاق دینا چاہیں تو وقوفون کے ساتھ دین یا اس خبر کو متنضم ہے کہ مسنون اور مستحب طلاق دینے کا یہ ہے۔ لیکن قریب تر یہی ہے کہ آیت کوامر پر محمول کیا جائے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قرآن کا مقصد حقیقتہ خبر نہیں ہے۔ لہذا اب آیت کے معنے یہ ہونگے کہ جب تم طلاق دینا چاہو تو دو مرتبہ کر کے طلاق دو۔ اور اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ دو مرتبہ کر کے طلاق دینے کو واجب تسليم کیا جائے۔ اس امر کو استحباب پر محمول کرنے کیلئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہو گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ عیلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ نماز دو دو رکعتیں کر کے ہوتی ہے۔ اور ہر دو رکعتوں میں ایک تشهد ہوتا ہے۔ اور ”نماز مسکن“ اور ”خشوع“ کا مظاہرہ ہے۔ یہ سب خبر کے صیغہ ہیں مگر ان سے مراد یہ حکم دینا ہے کہ نماز اس انداز سے ادا کی جائے۔ عادوں ازین اگر آیت کو اس معنے پر محمول کیا جائے کہ اس سے مقصد مخصوص طلاق مسنون کو بیان کرنا ہے۔ تب بھی اس کا یہ مدلول اپنی جگہ پر قائم رہیگا کہ دو یا تین طلاقیں جمع کر کے ایک ساتھ دیدینا منفعت ہے۔ کیونکہ الطلاق مرتان کے الفاظ تمام مسنون طلاقوں پر مشتمل ہیں۔ لہذا ایسی کوئی مسنون طلاق باقی نہیں رہ جاتی جسپر قرآن کے یہ الفاظ حاوی نہ ہو گئے ہوں۔ لہذا جو طلاقیں ان الفاظ سے خارج ہونگی وہ سنت کے خلاف ہی ہونگی۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جو شخص دو طلاقیں یا تین طلاقیں ایک لفظ میں جمع کر کے دیتا ہے۔ وہ سنت کے خلاف طلاق دیتا ہے۔ لہذا یہ آیت کئی معنوں پر دلالت کر رہی ہے۔ ایک تو یہ کہ، اگر آدمی تین طلاقیں دینا چاہتا ہو تو اسے مسنون طریقہ پر طلاق دینے کیلئے تین طلاقوں کے عدد کو متفرق اوقات میں ادا کرنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آدمی کو دو طلاقیں بھی دو مرتبہ کر کے دینا جائز ہے۔ تیسری بات یہ کہ تین طلاقوں سے کم میں شوہر کیلئے رجوع کرنے کا حق ثابت

رہتا ہے۔ چونکی بات یہ کہ اگر آدمی بیوی کو دو طلاقیں حیض کے دورانِ دیدے تو وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کے واقع دونے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ پانچویں بات یہ کہ اس آیت نے تین طلاقوں سے زیادہ طلاقیں دینے کو منسوخ کر دیا ہے۔ جب کہ ابن عباس وغیرہ سے منقول ہے کہ لوگ جتنی طلاقیں چاہتے تھے دیلیا کرتے تھے اور پھر رجوع کر لیا کرتے تھے۔ لہذا آنہیں تین طلاقوں تک محدود کر دیا گیا اور تین سے زیادہ طلاقوں کو منسوخ کر دیا گیا۔ لہذا اس آیت میں محض مسنون طلاق کا عدد بتایا گیا ہے۔ کہ کتنی طلاقیں دی جاسکتی ہیں آیت میں وہ مسنون وقت نہیں بتایا گیا جس میں طلاق دی جانی چاہئے۔ اسے حق تعالیٰ نے اپنے دوسرے ارشاد فطلقوہن بعد تو ان میں بیان فرمایا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے اسکی وضاحت فرمایا ہے کہ طلاق عدت سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ جب ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کے زمانہ میں طلاق دیدی تھی تو آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ خدا نے تمہیں اس طرح طلاق دینے کا حکم نہیں دیا۔ طلاق عدت یہ ہے کہ تم بیوی کو اس وقت طلاق دو جب وہ پاک ہو چکی ہو اور تم اس کے پاس نہ گئے ہو یا وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو۔ یہ وہ عدت ہے جس کا خدا نے حکم دیا ہے کہ اس وقت میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ لہذا طلاق سنت دو اوصاف کے ساتھ بندھی ہوتی ہے۔ ایک عدد۔ اور دوسرے وقت۔ عدد تو یہ ہے کہ آدمی ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاق نہ دے۔ اور وقت یہ ہے کہ اس وقت طلاق دے جب وہ پاک ہو۔ مرد اس کے پاس نہ گیا ہو۔ یا وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل واضح ہو چکا ہو۔

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کیلئے جنہیں ایام آتی ہوں، طلاق سنت کیا ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ بہترین طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی بیوی کو اس وقت طلاق دے جب وہ ایام سے پاک ہو چکی ہو اور وہ اس کے پاس نہ گیا ہو۔ پھر وہ اسے چھوڑ دے تا آنکہ اسکی عدت پوری ہو جائے۔ اور اگر وہ اسے تین طلاقیں دینا چاہتا ہو تو ہر طہر کے وقت اسے ایک طلاق دیدے، اس کے پاس جانے سے پہلے پہلے۔ سفیان ثوری کا قول یہی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ ہمیں ابراہیم نجیعی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق یہ بات پہنچی ہے کہ وہ اسی کو پسند کرتے تھے کہ لوگ ایک سے زیادہ طلاقیں نہ دیں حتیٰ کہ عورت کی عدت گذرا جائے۔ اور یہ صورت ان کے نزدیک اس سے افضل ہے کہ آدمی ہر طہر کے وقت ایک ایک طلاق کر کے آسے تین طلاقیں دیدے۔ امام مالک، عبدالعزیز ابن سلمہ ماجشون، لیث ابن سعد، حسن ابن صالح، اور امام اوزاعی نے کہا ہے کہ طلاق سنت یہ ہے کہ عورت کو طہر میں مقارت سے پہلے ایک طلاق دیدی جائے۔ یہ حضرات عورت کو تین طہروں میں تین طلاقیں دینے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی اس سے رجوع کرنا نہیں چاہتا تو وہ ایک طلاق دیکر اسے چھوڑ دے تا آنکہ اسکی عدت پوری ہو جائے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے، جیسا کہ مزنی نے اسے روایت کی ہے۔ کہ شوہر کیلئے تین طلاقیں دینا

حرام نہیں ہے۔ اگر شوہر اپنی بیوی سے کہلاتے کہ تجویز سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں اور عورت پاک ہو چکی ہو اور شوہر اس کے پاس بھی نہ گیا ہو تو تینوں طلاقیں ایک ساتھ پڑ جائیں گی۔ (۲)

امام ابو بکر جصاص رازیؑ کے ان اقتباس پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں چاہئے اور وہ یہ ہے کہ ”طلاق مسنون“، یا ”طلاق سنت“ کی اصطلاح سے فقہاء کی مراد ان الفاظ کا وہ عام مفہوم لازماً نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن اس کے خلاف عمل کر لیتے ہیں بھی کوئی بڑا مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً مسجد ہیں داخل ہونا ہو تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھنا چاہئے اور مسجد سے نکلنا ہو تو پہلے بایاں پاؤں نکلنا چاہئے۔ یہی سنت ہے۔ وضو کرنے لگو تو دانتوں کو صاف کرنے کے لئے مسواک کرنا مفت ہے۔ جمعہ کے دن غسل کوئے صاف کپٹے ہوں کر اور خوشبو لگا کر جمعہ کی نماز کے لئے جانا مسنون ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان موقعوں پر جب سنت اور مسنون کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان سے یہی مراد ہوتی ہے کہ ایسا ایسا کرنا بہت ہی اچھا ہے۔ لیکن اگر اپسائی کیا گیا تو کسی بڑے مواخذہ کا الدیشہ بھی نہیں ہے بس اتنی سی بات ہے کہ ہم لئے ایک مسنون بات کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن یہیک وقت دو اور تین طلاقیں دینے کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھو چکے ہیں کہ اس طرح یہیک وقت دی ہوئی طلاقیں ہمارے فقہاء کے نزدیک حرام، منوع اور ناجائز ہیں۔ اور انہیں کر لیا جائے تو شدید مواخذہ کا الدیشہ ہے۔ لہذا یہ بات امن انداز کی سنت یا مسنون نہیں ہے کہ اس کے خلاف عمل کر لیا جائے تو کوئی بڑا مضائقہ نہیں ہوگا۔ یہاں سنت اور مسنون کے الفاظ ان معنوں میں استعمال ہونے ہیں جنکی تفسیر خود حضور اکرم صل اللہ علیہ وسلم سے بدین الفاظ مروی ہے کہ ”ما انا علیہ و اصحابی“ (وہ طریقہ جس پر میرا اور میرے اصحاب کا عمل ہے) یعنی مسلمانوں کا طریقہ۔ اسلامی طریقہ۔ وہ طریقہ نہیں جو زمانہ جاہلیت میں کفار و مشرکین کا طریقہ تھا۔ بلکہ وہ طریقہ جسے اسلام نے مسلمانوں کے لئے منعین طور پر مقرر کر دیا ہے۔

تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تعبیر بڑی حد تک اشتباہ پیدا کرنے والی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ اس موقعہ ہر ہمارے فقہاً بجائے سنت اور مسنون کے ”طلاق مشرع“ کی غیر مشتبہ اصطلاح استعمال کوئی۔ کیونکہ اسلام نے جن الداز سے طلاق دینے کو مشرع کیا ہے۔ وہ یہی طریقہ ہے کہ طلاقیں وقوف کے ساتھ دی جائیں اور یہی وقت دو دو تین طلاقیں دینا اسلام میں قطعاً غیر مشرع، ناجائز، حرام اور منوع ہے۔ غالباً یہ اس تعبیر ہی کا تصور ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہی وقت دی ہوئی تین لین طلاقوں کی طرف سے وہ نفرت باقی نہیں رہی جو اسلام ان کے خلاف پیدا کرنا چاہتا تھا۔ عموماً زیادہ سے زیادہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس طریقہ سے طلاقیں دینا، جو شریعت نے بتایا ہے، زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی اس طریقہ کے برخلاف طلاقیں دیدے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حالانکہ یہ تصور قطعاً اسلام کے منشاء کے خلاف ہے۔

اس کے بعد دیکھئے کہ امام ابو بکر جاصص رازی رح کے اس طویل اقتداء سے ہمیں مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) ”الطلاق مرتان“ کے لفظ میں مرتان کا مطلب یہی ہے کہ شروع کی دو طلاقیں دو مرتبہ کر کے مختلف اوقات میں دی جائیں۔ یہی وقت نہ دی جائیں۔ کیونکہ اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو ”مرتان“ کے لفظ کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ اگر حضرت عروہ رح اور تبادہ رح کے قول کے مطابق اس آیت کا مقصد محسن یہ بتانا ہوتا کہ ان دو طلاقوں میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے تو ”مرتان“ کا لفظ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اگر کوئی شخص دو طلاقیں یہی وقت دیدے، دو مرتبہ کر کے مختلف اوقات میں لہ دیے تو شوہر کو رجوع کرنے کا حق تو اس صورت میں بھی ہوتا ہے۔ لہذا ”مرتان“ کا لفظ محسن یہ بتانے کے لئے لا یا گیا ہے کہ دو طلاقیں بھی یہی وقت نہیں بلکہ مختلف اوقات میں وقوف کے ساتھ دو مرتبہ کر کے دی جانی چاہئیں۔ ”الطلاق مرتان“ کے معنی دو طلاقیں نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ طلاق دو مرتبہ کر کے دی جائے۔ ظاہر ہاتھ ہے کہ اگر کوئی شخص دو

طلاقیں بیک وقت دے دیتا ہے تو اس شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے طلاقیں دو مرتبہ کر کے دی ہیں۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو بیک، وقت دو درهم دے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے درهم دو مرتبہ دئے ہیں۔ یہ بات اسی وقت کمہی جاسکتی ہے جبکہ دو درهم الگ الگ کر کے مختلف اوقات میں دئے گئے ہوں۔

(۲) ”الطلاق مرتان“ اگرچہ بظاہر جملہ خبریہ ہے لیکن اس کے معنے امر کے ہیں۔ یعنی قرآن کریم کا مقصد یہ حکم دینا ہے کہ طلاقیں دو مرتبہ کر کے الگ الگ مختلف اوقات میں دی جائیں۔ امر کا تلفظ کم از کم وجوب کا ہوتا ہے۔ لہذا اس کے معنے یہ ہوئے کہ طلاقوں کو دو مرتبہ کر کے الگ مختلف اوقات میں دینا واجب ہے۔ اور اس کے خلاف عمل کرنا ناجائز منوع اور حرام ہے۔

(۳) اگر اس کو خبر بھی مانا جائے اور کہا جائے کہ قرآن کا مقصد اس آیت سے طلاق مسنون (یعنی طلاق مشروع) کو بتانا ہے تب بھی اس کا حاصل وہی ہوگا۔ کیونکہ مشروع طلاق صرف وہی ہوگی جو قرآن نے بتادی ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح بھی طلاق دی جائے گی وہ غیر مشروع، ناجائز اور حرام ہوگی۔

(۴) عربوں میں زمانہ جاہلیت سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ وہ اپنی بیویوں کو لاتعداد طلاقیں دے دیا کرتے تھے اور رجوع کر لیا کرتے تھے۔ قرآن کریم کا مقصد اس آیت سے یہ بھی ہے کہ اسی طرزِ عدل کو پند کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ نے بتایا کہ طلاقیں بیک وقت کئی کشی کر کے نہیں دی جاسکتیں۔ طلاق کا لفظ نہ کوئی کوستا ہے نہ کوئی گالی ہے کہ اس کے ایک مرتبہ کہنے سے فریق مخالف کی وہ دل آزاری نہیں ہوگی جو اس کے دو۔ تین۔ دس۔ مو۔ ہزار مرتبہ کہنے سے ہو سکتی تھی۔ اس لئے اسے بار بار دھرا بیا جائے۔ شریعت کی نظر میں نکاح ایک معاہدہ اور ایک عقد ہے۔ اور طلاق اس معاہدہ یا عقد کے فسخ کردینے کا اعلان ہے۔ لہذا فسخ کا یہ اعلان ایک مرتبہ میں ایک ہی بار ہونا چاہئے۔ اور اس معاہدہ کو پہلی اور دوسری

مرتبہ فسخ کرنے کے بعد تمہوں رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ تیسروی مرتبہ اگر معاہدہ کو فسخ کیا جائے گا تو رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ یہ نہیں کہ تم نے ہزار مرتبہ معاہدہ کو فسخ کرنے کا اعلان کر دیا اور ہزار مرتبہ رجوع کر لیا۔

(۵) اس آیت کریمہ میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ طلاق کتنی مرتبہ دی جاسکتی ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ کس وقت دی جاسکتی ہے۔ وقت کا بیان سورہ طلاق کی آیت ”فطلقوهن لعد تهن“ میں کیا گیا ہے۔ اسی آیت ہر ہم آئندہ چل کر بحث کریں گے۔

(۶) حنفیہ کے نزدیک طلاق کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو طہر کی حالت میں ایک طلاق دے۔ اگر اس کے بعد وہ اس سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو عدت کے دوران میں رجوع کرے اور اگر رجوع کرنا نہیں چاہتا ہے تو عورت کو چھوڑے دکھئے تاکہ اس کی عدت ہو ری ہو جائے اور وہ اس سے الگ ہو جائے۔

(۷) امام سفیان ثوری رح نے فرمایا ہے کہ طلاق کا مسنون (مشروع) طریقہ یہ ہے کہ شوهر اپنی بیوی کو عدت کے دوران ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق کر کے تین طلاقیں دے دے۔

(۸) واضح رہے کہ امام رازی نے امام ابوحنیفہ رح سے صراحتہ^۱ ایسی کوئی روایت نقل نہیں کی ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ امام صاحب رحمہ^۲ اللہ علیہ بھی اس طریقہ^۳ طلاق کو مسنون سمجھتے تھے۔ امام رازی نے امام ابوحنیفہ رح سے صرف یہی نقل فرمایا ہے کہ ہمیں ابراہیم نجعی رح سے یہ بات پوہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دی جائے اور یہ کہ ان کے نزدیک یہی صورت اس سے اہتر سمجھی جاتی تھی کہ عورت کو تین طلاقیں دے دی جائیں۔

(۹) امام مالک رح، عبدالعزیز ابن سلمہ ما جشون رح، لیث ابن سعد، حسن ابن صالح رح اور امام اوذاعی رح سے صراحتہ^۴ منقول ہے کہ وہ امام نوری رح کے بتائے ہوئے طریقہ کو کہ عورت کو ایک ہی عدت میں، ہر

طہر میں ایک کرکے تین طلاقیں دے دی جائیں ، مکروہ اور ناپسند سمجھتے تھے ۔

(۱) صرف امام شافعی رحمہ اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں بیک وقت دے دینا حرام نہیں ہے اور اگر دیدی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں ۔
(باقی آئندہ)

ضمیمه

حوالوں کے عربی متن

- (۱) عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إيماماً مراتاً سالت زوجها الطلاق في غير مباباً س فحرام عليها را رأحة الجنة - (رواہ المخمسة الالنسائی)
(۲) عن ابن عمر رضه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن بعض الحال إلى الله عز وجل الطلاق - (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

(۳) وقد اختلف في المخاطبين بهذه الآية من هم؟ فروى عن سعيد ابن جبير و الصحاح انه السلطان الذي يترافقان اليه وقال السدي الرجل والمرأة - قال أبو بكر قوله (واللاتي تخافون نشوزهن) هو خطاب للزواج لما في نسق الآية من الدلالة عليه وهو قوله (واهجروهن في المضاجع) وقوله (وان خفتم شاق بينهما) الاولى ان يكون خطابا للحاكم الناظر بين الخصميين والمانع من التعدي والظلم وذلك لانه قد بين امر الزوج وامرها بوعظها و تخوييفها بالله ثم بهجرانها في المضجع ان لم تنجز ثم بضربيها ان اقامت على نشوزها ثم لم يجعل بعد الضرب للزوج الا المحاكمة الى من ينصف المظلوم منهما من الظالم ويتووجه حكمه عليهمما (أحكام القرآن ، لحججه الاسلام ابی بکر احمد بن علی الرازی) ج ۲ ، ص ۲۳۱
مطبوعہ بہبیہہ ، مصر > ۱۳۲

(۴) قال الله عزوجل (الطلاق مرتان فاما ك ما معروف او تسریح باحسان) قال أبو بكر قد ذكرت في معناه وجوه - أحدها انه بيان للطلاق الذي ثبت معه الرجعة - يروى ذلك عن عروة ابن الزبیر و قنادة - والثانی انه بيان للطلاق السنة المنذوب اليه - ويروى ذلك عن ابن عباس و مجاهد - والثالث انه امر انه اذا اراد ان يطلقها ثلاثة نعليه تفريق الطلاق فيتضمن الامر بالطلاق مرتين ثم ذكر بعد هما الثالثة - قال أبو بكر فاما قول من قال انه بيان لما يبقى معه الرجعة من الطلاق فانه و ان ذكر

معنا الرجعة عقيبها فان ظاهره يدل على انه قصد به بيان المباح منه واما ماءدها فمحظوظ
 و بين مع ذلك حكمه اذا اوقع على الوجه المأمور به بذكر الرجعة عقبه - والدليل على
 ان المقصود فيه الامر بت分区 الطلاق و بيان حكم ما يتعلق بایقاع مادون الثالث
 من الرجعة انه قال (الطلاق مرتان) و ذلك يقتضى الت分区 لامالة لانه لوطلق اثنين
 مما لها جاز ان يقول طلقها مرتين - وكذلك لو دفع رجل الى اخر درهمين لم يجز
 ان يقول اعطاء مرتين حتى يفرق الدفع فحيثنه يطلق عليه و اذا كان هذا هكذا فلو كان
 الحكم المقصود باللفظ هو ما تعلق بالطلقيتين من بقاء الرجعة لادى ذلك الى اسقاط
 فائدة ذكر المرتدين اذا كان الحكم ثابتا في المرة الواحدة اذا طلق اثنين ثبت بذلك
 ان ذكره للمرتدين انما هو امر بايقاعه مرتين ونهى عن الجمع بينهما في مرة واحدة -
 ومن جهة اخرى انه لو كان اللفظ محتملا لامرين لكن الواجب حمله على اثبات
 الحكم في ايجاب الفائدين وهو الامر بت分区 الطلاق متى اراد يطلق اثنين وبيان
 حكم الرجعة اذا طلق كذلك فيكون اللفظ مستوعبا للمعنىين - قوله تعالى (الطلاق مرتان)
 و ان كان ظاهر الخبر فان معناه الامر - كقوله تعالى (والملتفات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء)
 (الوالدات يرصن اولادهن) وماجرئ هذا المجرى مما هو في صيغة الخبر و
 معناه الامر - والدليل على انه امر وليس بخبر انه لو كان خبرا لو جد مخبره على ما اخبر
 به لان اخبار الله لا تفتك من وجود مخبراتها - فلما وجدنا الناس قد يطلقون الواحدة
 والثلاث معا ولو كان قوله تعالى (الطلاق مرتان) اسم للخبر لاستوعب جميع ما تحدث
 ثم وجدنا في الناس من يطلق لاعلى الوجه المذكور في الآية علمنا انه لم يرد الخبر
 ان يتضمن احد معنيين اما الامر بت分区 الطلاق متى اردنا الایقاع او الاخبار عن المستون
 المتذوب اليه منه او اول الاشياء حمل على الامر اذ قد ثبت انه لم يرد به حقيقة
 الخبر لان حيئته يصير بمعنى قوله طلقوا مرتين متى اردتم الطلاق وذلك يقتضي
 الايجاب و انه ينصرف الى الندب بدلالة - كما قال النبي صلى الله عليه وسلم (الصلة
 مشى مشنى و الشهد فى كل ركعتين و تمسكن و خشوع) فهذه صيغة الخبر و المراد
 الامر بالصلة على هذه الصفة - وعلى انه ان حمل على ان المراد بيان المستون
 من الطلاق كانت دلالته قائمة على حظر جمع اثنين او الثالث لان قوله
 (الطلاق مرتان) منظم لجميع الطلاق المستون فلا يبيقى شيئا من مستون الطلاق الا
 و قد انطوى تحت هذا اللفظ فاذا مخرج عنه فهو على خلاف السنة ثبت بذلك
 ان من جمع اثنين او الثالث في كلمة فهو مطلق لغير السنة

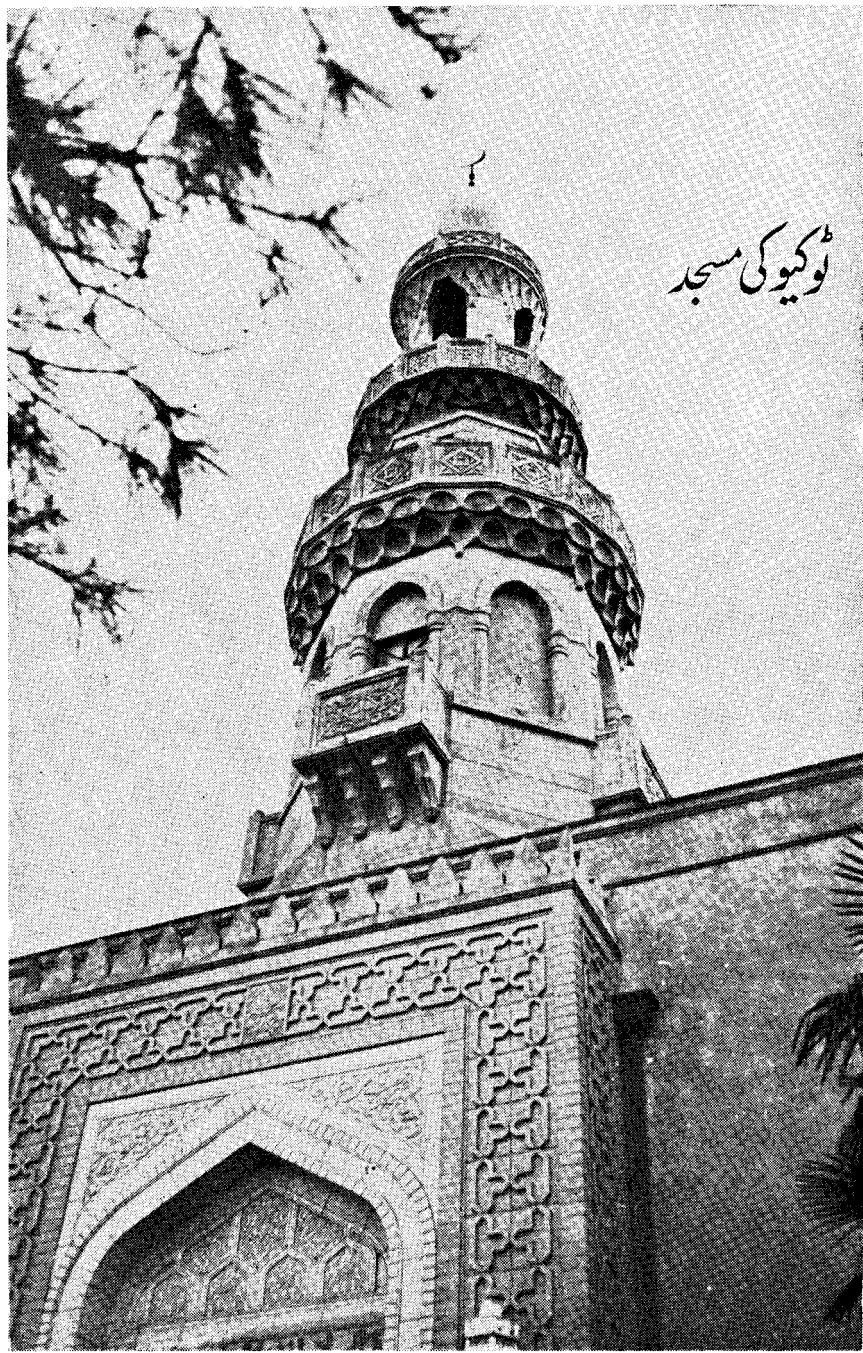
فانتظمت هذه الآية الدالة على معان - منها ان مستون الطلاق الت分区 بين اعداء
 الثالث اذا اراد ان يطلق ثلاثا - و منها ان له ان يطلق اثنين في مرتين - و منها
 ان مادون الثالث ثبت مع الرجعة - و منها انه اذا طلق اثنين في الحيس
 و قعطا لان الله قد حكم بوقعهما - و منها انه نسخ هذه الآية الزيادة على الثالث

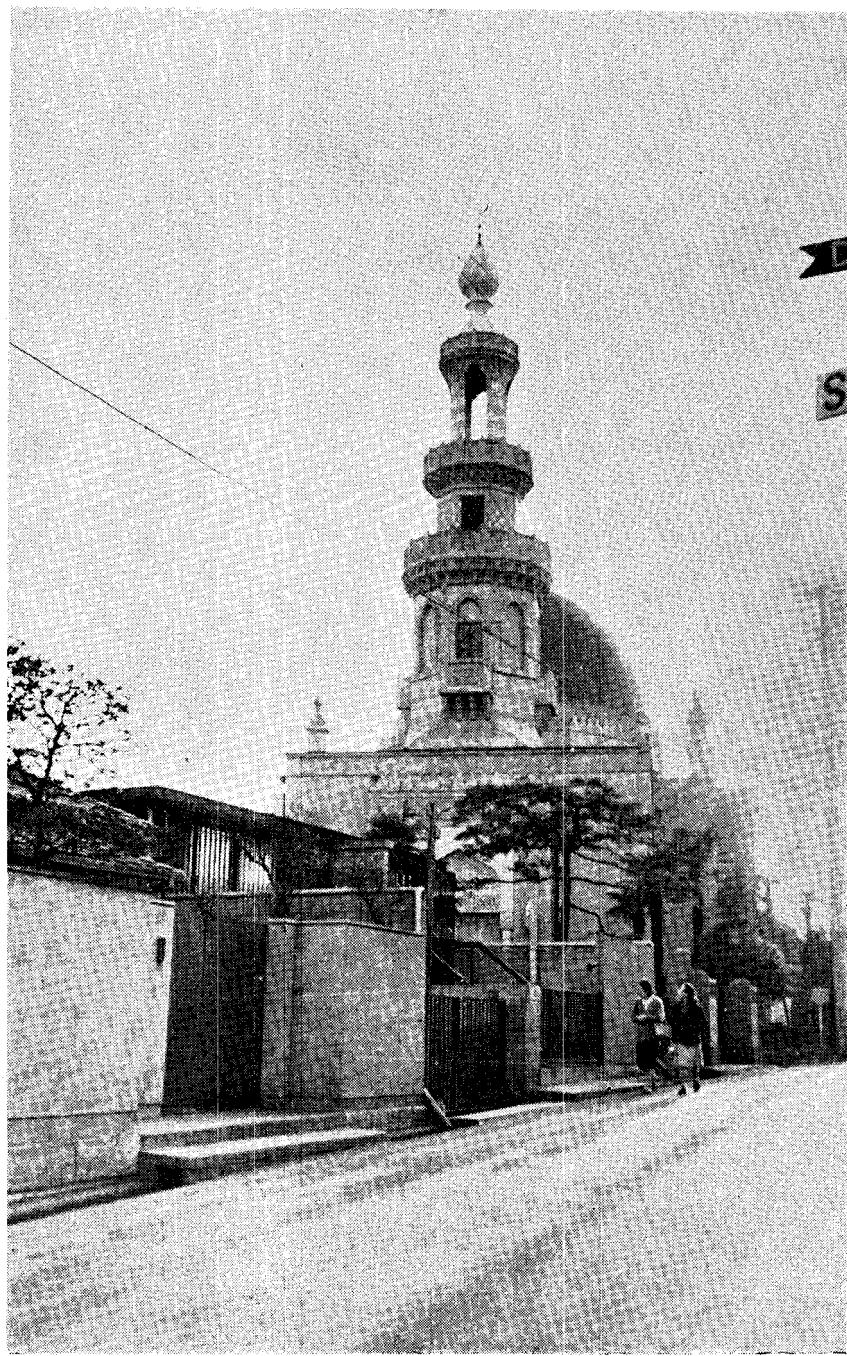
على ماروى عن ابن عباس وغيره انهم كانوا يطلقون ما شاؤ من العدد ثم يراجعون فقصروا على الثالث ونسخ به مازاد

ففى هذه الاية دلالة على حكم العدد المسنون من العلاق و ليس فيها ذكر الوقت المسنون في بايقاع الطلاق - وقد بين الله ذلك فى قوله تعالى (فطلقو هن لعدتهن) وبين لهم النبي صلى الله عليه وسلم طلاق العدة فقال لابن عمر رضى حين طلق امرأته وهي حائض (ما هكذا امرك الله انما طلاق العدة ان يطلقها طاهرا من غير جماع او حاملا وقد استبان حملها فتكل العدة التي امر الله ان يطلق لها النساء) - فكان طلاق السنة معقودا ابو صفرين احدهما العدد والآخر الوقت - فاما العدد فان لايزيد في طهر واحد على واحدة - واما الوقت فان يطلقها طاهرا من غير جماع او حاملا قد استبان حملها و قد اختلف اهل العلم في طلاق السنة لنوات الافرء فقال اصحابنا احسن الطلاق ان يطلقها اذا ظهرت قبل الجماع ثم يتركها حتى تنقضى عدتها - وان اراد ان يطلقها ثلاثة طلاقها عند كل طهر واحدة قبل الجماع وهو قول الشورى وقال ابو حنيفة (وبلغنا عن ابراهيم عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم انهم كانوا يستجيبون ان لايزيدوا في الطلاق على واحدة حتى تنقضى العدة وان هذا عندهم افضل من ان يطلقها ثلاثة عند كل طهر واحدة) - وقال مالك وعبدالمجيد ابن ابي سلمة الماجشون والليث ابن سعد والحسن ابن صالح والاوzaعى (طلاق السنة ان يطلقها في طهر قبل الجماع تطليقة واحدة ويكرهون ان يطلقها ثلاثة في ثلاثة اطهار - لكنه ان لم يرد رجعتها تركها حتى تنقضى عدتها من الواحدة) - وقال الشافعى فيما رواه عن المزنى (لا يحرم عليه ان يطلقها ثلاثة و لو قال لها انت طلاق ثلاثة للسنة وهي ظاهر من غير جماع طلقت ثلاثة معا)

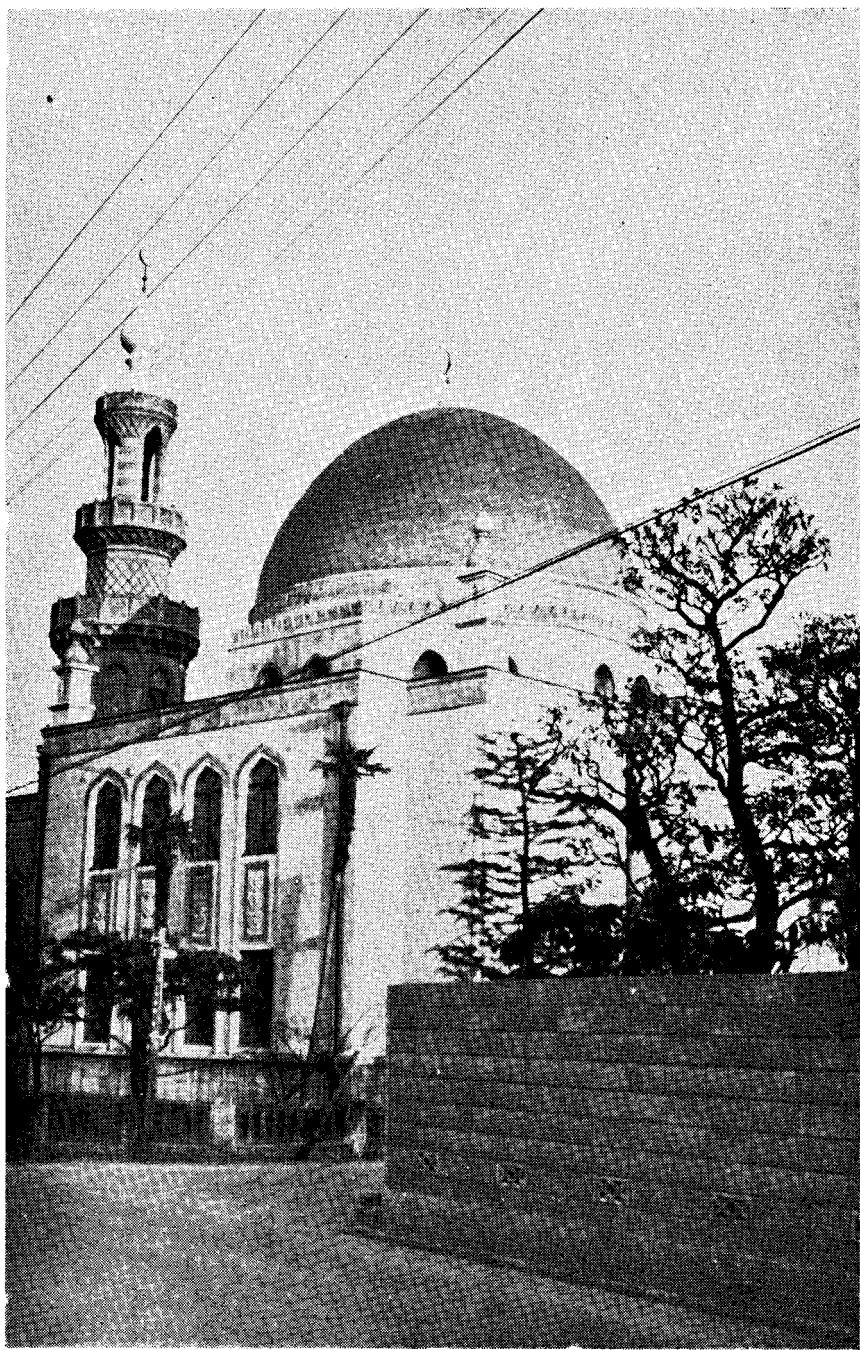
(ايضاً ، ج ١ ص ٢٢٤ - ٢٢٩)

ٹوکیو کی مسجد





مسجد نوکیر کا ایک منظر



مسجد جوکواں اور منظر

